سکونت حرمین

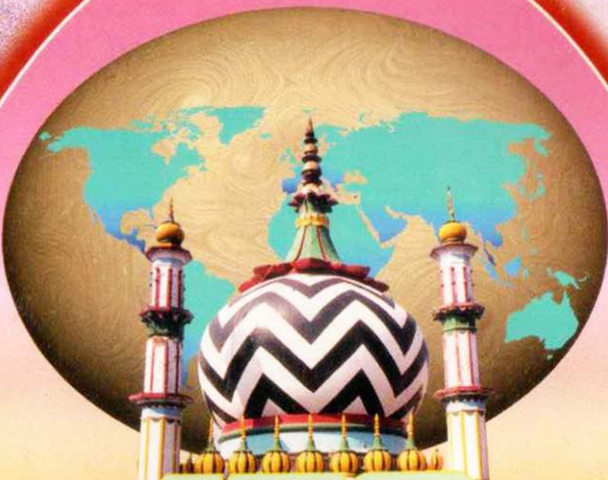

از: اعلیٰحضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

صیقل الرّین عن احکام مجاورۃ الحرمین

۱۳۰۵ھ

تصنیف

اعلیحضرت امام اہلِ سُنت مجدد دین وملّت

مولانا شاہ احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ عربی عبارات

حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

تخریج و تصحیح

مولانا نذیر احمد سعیدی

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضا اکیڈمی ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳

فون: ۳۷۰۲۲۹۶

سلسلۂ اشاعت ۲۹۶

نام کتاب ـــــــ صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین
۱۳۰۵ھ

مصنف ـــــــ اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ عربی عبارات ـــــــ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

تخریج وتصحیح ـــــــ مولانا نذیر احمد سعیدی

سن اشاعت ـــــــ ۱۴۲۲ھ سنہ ۲۰۰۱ء

ناشر ـــــــ رضا اکیڈمی ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ بمبئی ۳

طباعت ـــــــ رضا آفسیٹ بمبئی ۳

صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین
۱۳۰۵ھ

(حرمین شریفین میں سکونت کے احکام سے متعلق شبہات کا ازالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از گورکھپور محلہ گھوسی پورہ مسئولہ مولانا مولوی حکیم عبداللہ صاحب ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی رجل مکلف لہ ابوان وبنتان صغیرتان لایفتقرون الیہ فی المعاش ولہ زاد وراحلۃ یرید ان یہاجر وحدہ الی الحرمین الشریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما وذلک لانہ لایجد مالا یسع زادھم جمیعا ویظن انہ لو استجازھم فی الھجرۃ لایجیزوہ اصلا فھل تجوز لہ الھجرۃ بحکم الشرع ام لا بینوا بسند

اے علماء کرام (اللہ تم پر رحمت فرمائے) اس مکلّف کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے جس کے ایسے والدین اور دو بیٹیاں ہیں جو معاشی اعتبار سے اس شخص کی محتاج نہیں، اس شخص کے لیے زادِ راہ اور سواری وغیرہ بھی ہو، اور وہ چاہتا ہے کہ وہ تنہا حرمین شریفین (اللہ تعالٰی ان کے شرف و عظمت میں اور اضافہ فرمائے) ہجرت کر جائے کیونکہ وہ تمام کے خرچ کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ بھی گمان رکھتا ہے کہ اگر ان

الکتاب والعبارۃ توجروا یوم الحساب بالبشارۃ۔

مذکورہ افراد سے ہجرت کی اجازت، چاہے گا تو وہ اجازت نہیں دیں گے، ایسی صورت میں اس کے لیے شرعاً ہجرت جائز ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرما دیں، اللہ تعالٰی تمھیں یوم قیامت اجر عطا فرمائے گا۔ (ت)

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ۔

اے اللہ حق وصواب کی توفیق عطا فرما، حمد ہے اللہ کے لیے جو ذات وصفات میں لاشریک ہے، صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور مکرم ومحترم آل واصحاب پر۔

برالوالدین من اعظم الواجبات واھم القربات حتی قرن المولٰی سبحانہ وتعالٰی شکرھما بشکرہ اذ امر عز من اٰمر ان اشکرلی ولوالدیک وقد فضلہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الجھاد فی سبیل اللہ (اخرج) احمد والشیخان وابوداؤد والنسائی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ قال الصلوۃ علٰی وقتھا، قلت ثم ای، قال برالوالدین، قلت ثم ای، قال الجھاد فی سبیل اللہ[۱]، قلت، ولیس

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک اعظم واجبات اور اہم عبادات میں سے ہے حتّی کہ اللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی نے ان کی شکرگزاری کو اپنے شکریہ کے ساتھ متصل فرماتے ہوئے یہ حکم دیا "میرے شکرگزار بنو اور اپنے والدین کے" اور حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ نیکی کو اللہ کی راہ میں جہاد سے افضل قرار دیا ہے۔ امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالٰے کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک۔ عرض کیا: اس کے بعد؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔

۱؎ صحیح بخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۸۲

البران لا تعصيهما اذا صرحا بشئ وتخالفهما فی ماسوی ذٰلك ولكن البران لا تأتی مایكرهانه وان لم یخاطباك فیه بشئ، فان الطاعة والارضاء كلاهما واجبان و المعصیة والاسخاط جمیعا محرمان وهٰذان اعنی السخط والرضا لا یختصان بما تقدما فیه بصریح البیان كما لا یخفٰی۔

میں کہتا ہوں نیکی ان کے ساتھ یہ نہیں کہ ان کے حکمِ صریح کی تو نافرمانی نہ کی جائے اور اس کے علاوہ میں ان کی مخالفت کی جائے، ہاں نیکی یہ ہے کہ کسی معاملہ میں بھی انھیں پریشان نہ کیا جائے اگرچہ وہ اولاد کو کسی معاملہ کا حکم نہ دیں، کیونکہ طاعت اور راضی کرنا دونوں واجب ہیں اور نافرمانی اور ناراض کرنا دونوں حرام ہیں اور یہ ناراض اور راضی کرنا ان کے صریح حکم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔

وحسبك ما اخرج الترمذی و ابن حبان والحاكم وصححه والطبرانی عن عبد اللہ بن عمرو، والبزار عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهم انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال رضی الرب فی رضی الوالد[1] وسخط الرب فی سخط الوالد، ولفظ البزار الوالدین فی الموضعین[2] وقد اشار النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من اراد الجهاد والهجرة الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یرجع فیخدم ابویه ولیس فی الحدیث انهما كانا مفتقرین الیه اخرج احمد والستة الا ابن ماجة

اس پر دلیل یہ روایت ہی کافی ہے کہ امام ترمذی، ابنِ حبان، حاکم (انھوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور بزار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ مسند بزار میں دونوں مقامات پر والد کی جگہ "والدین" کا لفظ ہے۔ کچھ لوگوں نے آپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رہنے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں والدین کی خدمت کا حکم دیا۔ ان احادیث میں یہ کہیں تصریح نہیں کہ والدین ان کی خدمت کے محتاج تھے۔ امام احمد، ابن ماجہ

---

[1] جامع الترمذی باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۲

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ البزار کتاب البر والصلۃ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۳۲۲

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما، و مسلم وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاستاذنہ فی الجھاد فقال احی والداك، قال نعم، قال ففیھما فجاھد[1]

کے علاوہ ائمہ ستہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پُوچھا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: جاؤ ان کی خدمت میں محنت کرو۔

قلت ولا اقول ان مجرد عدم الذکر ذکر العدم، حتی ترجع تقول واقعۃ حال فلا شمول، فما یدریك لعلھما کانا مفتقرین الیہ، وانما اقول ان السائل لم یبین، والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یستبین، فترك السؤال دلیل الارسال۔

میں کہتا ہوں میں یہ نہیں کہہ رہا کہ محض عدمِ ذکر ذکرِ عدم ہے، حتّٰی کہ یہ اعتراض ہو کہ یہ تو ایک مخصوص واقعہ ہے جس کا حکم عام نہیں، کیا علم کہ وہ والدین محتاجِ خدمت ہوں، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ سائل نے ان کی محتاجی بیان نہیں کی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی تفصیل پوچھی۔ سوال کا نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ محتاج ہونا ضروری نہیں۔

واخرج مسلم فی روایۃ لہ عن ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اقبل رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقال ابایعك علی الھجرۃ والجھاد ابتغی الاجر من اللہ تعالٰی، قال فھل من والدیك احد حی،

امام مسلم نے ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت کیا ایک شخص نے حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا: آقا! میں اللہ تعالٰی سے اجر و ثواب کی خاطر ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے آپ کے دستِ اقدس پر بیعت چاہتا ہوں، آپ نے پُوچھا: تیرے والدین میں سے کوئی ایک

[1] صحیح مسلم باب بر الوالدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۳

قال نعم بل کلاهما حی ، قال فتبتغی الاجر من الله تعالٰی ، قال نعم ، قال فارجع الی والدیك فاحسن صحبتهما۔[1]

زندہ ہے؟ عرض کیا: ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں، فرمایا: تُو اللہ تعالٰی سے ثواب واجر چاہتا ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: والدین کے پاس جاؤ اور ان کی خوب خدمت کرو۔

واخرج ابوداؤد عنه رضی الله تعالٰی عنه بلفظ جاء رجل الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال جئت ابایعك علی الهجرة وترکت ابوی یبکیان ، قال فارجع الیهما فاضحکهما کما ابکیتهما۔[2]

امام ابوداؤد نے اسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان الفاظ میں روایت ذکر کی ہے ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا اور عرض کیا میں آپ کے پاس ہجرت پر بیعت کے لیے آیا ہُوں اس حال میں کہ میں والدین کو روتے ہُوئے چھوڑ آیا ہوں، فرمایا: ان کی خدمت میں واپس جاؤ اور اس طرح خوش کرو جیسے تم نے انھیں رُلایا ہے۔

واخرج ایضا عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ان رجلا هاجر من الیمن الی رسول الله صلے الله تعالٰی علیه وسلم ، فقال هل لك احد بالیمن ، فقال ابوای ، قال اذنا لك ، قال لا ، قال فارجع الیهما فاستاذنهما فان اذنا لك فجاهد والا فبرهما۔[3]

انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا، آپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پوچھا، یمن میں تیرا کوئی عزیز ہے؟ عرض کیا: میرے والدین ہیں، فرمایا، انھوں نے تجھے اس بات کی اجازت دی ہے؟ عرض کیا، نہیں۔ فرمایا: ان کی خدمت میں جاکر اجازت طلب کرو اگر تجھے اجازت دے دیں تو جہاد پر جاؤ اور اگر اجازت نہ دیں تو والدین کی خدمت کرو۔

---

[1] صحیح مسلم	باب بر الوالدین	قدیمی کتب خانہ کراچی	۲/ ۳۱۳
[2] سُنن ابوداؤد	کتاب الجہاد	آفتاب عالم پریس لاہور	۱/ ۳۴۲
[3] ؍؍ ؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍ ؍؍	۱/ ۴۳-۳۴۲

واخرج النسائی وابن ماجة وحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم، والطبرانی باسناد جیّد، عن معاویة بن جاهمة ان جاهمة رضی الله تعالیٰ عنه جاء الی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقال یارسول الله اردت ان اغزو وقد جئتك استشیرك، فقال هل لك من ام، قال نعم، قال فالزمها فان الجنة عند رجلیها۔[1]

نسائی، ابن ماجہ، حاکم (اور کہا یہ شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے) اور طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہُوا ہوں۔ فرمایا: تمھاری والدہ ہیں؟ عرض کیا: ہیں۔ فرمایا: پس ان کی خدمت کرو کیونکہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔

ولفظ الطبرانی قال اتیت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم استشیره فی الجهاد، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الك والدان، قلت نعم، قال الزمهما فان الجنة تحت ارجلهما۔[2]

اور طبرانی میں روایت کے الفاظ یہ ہیں حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جہاد کے لیے مشورہ طلب کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمھارے والدین زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: زندہ ہیں۔ فرمایا: ان کی خدمت کو لازم جانو کیونکہ جنّت ان کے قدموں میں ہے۔

واخرج هذا اعنی الطبرانی عن طلحة بن معویة السلمی رضی الله تعالیٰ عنه، قال اتیت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقلت یارسول الله انی ارید الجهاد فی سبیل الله، قال امك حیة؟ قلت نعم، قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الزم

طبرانی نے حضرت طلحہ بن معاویۃ السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں۔ فرمایا: تمھاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کیا: ہاں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے قدموں میں

---

[1] سنن النسائی کتاب الجہاد مکتبہ سلفیہ لاہور ۲/ ۴۸
[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۲۰۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۲۸۹

رجليها فثم الجنة۔ [1]

فهذه فتوى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الهجرة الى المدينة ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بين اظهرهم، فكيف بجوار احد الحرمين بعد وفاة سيّد الكونين صلى الله تعالى عليه وسلم، فانظر كيف امرهم ان يرجعوا ويلزموا رجل اٰبائهم وامهاتهم، وانظر كيف امر من لم يستأذن ان يرجع فليستاذن، وانظر كيف هدى من اتى وتركهما يبكيان، ان يضحكهما كما ابكاهما وانت اذا علمت انهما لا ياذنان ان استاذنت، فقد علمت انهما لاشد حزنا و وجدا بك ان فارقت وما اذنت، فاياك ثم اياك ان تتركهما وهما يبكيان۔

وهذا خير التابعين بشهادة سيد العالمين صلى الله تعالى عليه

رہو، وہیں جنت ہے۔

یہ مدینہ کی طرف ہجرت کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس وقت کا فتویٰ ہے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان ظاہری حیات کے ساتھ تشریف فرما تھے اب سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حرمین میں سے کسی ایک میں جانے کا حال کیا ہوگا! ذرا غور تو کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے آباء اور امہات کی خدمت میں لوٹنے کا کس انداز میں حکم دیا ہے، یہ ملاحظہ بھی کیجئے کہ آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو کیا حکم دیا جو والدین سے اجازت لیے بغیر آیا تھا کہ واپس جاؤ اور اجازت لو۔ اس پر بھی توجہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی کتنی پیاری رہنمائی فرمائی جو اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا تھا کہ جاؤ ان کو اسی طرح ہنساؤ جس طرح انھیں رلایا ہے، جب آپ نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اب صورتِ مذکورہ میں اگر والدین سے اجازت مانگے وہ اجازت نہیں دے رہے تو واضح بات ہے کہ وہ تمھاری جدائی پر سخت پریشان و غمگین ہوں گے جبھی تو وہ آپ کو اجازت نہیں دے رہے تو اب روتے ہوئے چھوڑ کر جانا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

آئیے ایک ایسی شخصیت کا عمل پڑھتے ہیں جن کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۱۶۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/۳۷۲

وسلم، المروية من طريق عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه، عند مسلم[1] فی صحیحه ومن حدیث علی کرم اللہ تعالیٰ وجهه عند الحاکم[2] بسند صحیح اعنی ولی اللہ سیدنا اویس القرنی رضی اللہ تعالیٰ عنه منعته خدمة امه والبر بها ان یاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ویتشرف بذلك الشرف الاهم الاعظم هو صحبة نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فماظنك بهذا الذی یسمیه الناس هجرة وماهو بهجرة وانما الهجرة هجران الذنوب، نسأل توفیقه من رب القلوب۔

اخرج البخاری وابوداؤد والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هجر ما نهی اللہ تعالیٰ عنه[3]

وما احسن ما قال اخو العجم ؎

گر در یمنی و بامنی پیش منی
ور پیش منی و بے منی در یمنی

وهو معنی ما قال اٰخر : ؎

تعالیٰ عنہ سے اور حاکم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام تابعین میں افضل شخصیت ہے یعنی ولی اللہ حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انھیں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آکر اعلیٰ و افضل مقام حضور نبی پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صحبت پانے سے مانع فقط والدہ کی خدمت اور حُسنِ سلوک ہی تھا۔ اب ذرا سوچئے اس عمل کا کیا مقام ہے جسے لوگوں نے ہجرت کا نام دے رکھا ہے حالانکہ یہ ہرگز ہجرت نہیں، ہجرت تو حقیقۃً گناہوں کا چھوڑنا ہے، ہم ربِ قلوب سے اسکی توفیق کے طلبگار ہیں۔

بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان وُہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو اور مہاجر وُہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔

اور اخو العجم نے کیا خوب کہا ہے:

اگر تو یمن میں ہے اور میرے تصور میں ہے تو میرے سامنے ہے اور
اگر تو میرے سامنے ہے لیکن میرے تصور میں نہیں تو تُو یمن میں ہے۔

کسی اور شاعر نے بھی یہی بات یوں کہی ہے:

---

[1] صحیح مسلم — باب من فضائل اویس قرنی — قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۱
[2] المستدرک للحاکم — مناقب اویس قرنی — دار الفکر بیروت ۳/ ۴۰۳
[3] صحیح بخاری — باب من سلم المسلمون من لسانه — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶

وکم من بعید الدار نال مرادہ
وکم من قریب الدار مات کئیبا

وکان سیدی العارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی یقول :

کم من ھو معنا ولیس ھو معنا و کم من ھو بعید عنا و ھو معنا[۱] اھ۔

ومن اخفی وسائس الشیطان تلبس الشر بالخیر علی الانسان ، فیذھب بہ علی السیئات من باب الحسنات ، و لا یعرف ذٰلک الا العلماء العاملون ولذا ورد ذم المتعبد بغیر فقہ وضرب لہ مثل سوء فی حدیث عند ابی نعیم فی حلیۃ الاولیاء[۲] عن واثلۃ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

وھذا اشر مما اخرج الترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد[۳]۔

فھذا الذی یرید الھجرۃ

بہت سے دُور رہنے والے مراد پالیتے ہیں اور بہت سے قریب رہنے والے محروم و نامراد مرتے ہیں۔

سیدی عارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں :

بہت سے لوگ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ نہیں اور بہت سے ہم سے دُور ہیں مگر ہمارے ساتھ ہوتے ہیں اھ

جس پر شیطان کے وساوس مخفی ہوں اس انسان پر شر و خیر میں التباس ہو جاتا ہے اور شیطان اسے حسنات سے سیئات کی طرف لے جاتا ہے اور اس بات سے باعمل علماء ہی آگاہ ہو سکتے ہیں ، اسی وجہ سے بغیر دین فہمی کے عبادت کرنے والے کی مذمت آئی ہے اور ایسے عابد کی اس حدیث میں بُری مثال بیان ہُوئی جو ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے۔

یہ اس سے سخت ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

ہجرت کا ارادہ کرنے والا اگر یہ جان لے کہ

---

[۱]

[۲] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دار الکتاب العربی بیروت ۵/۲۱۹

[۳] جامع الترمذی باب ما جاء فی فضل الفقہ امین کمپنی دہلی ۲/۹۳

لوعلم ما فی احزان الوالدین و ادخال الغم علیھما لما ارادھا کما ورد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، انہ قال لوکان جریج الراھب فقیھا عالما لعلم ان اجابۃ دعاء امہ اولی من عبادۃ ربہ[1] اخرجہ الحسن بن سفین فی مسندہ و الحکیم المولی الترمذی فی نوادرہ وابن قانع فی معجمہ، والبیھقی فی شعب الایمان عن شھر بن حوشب عن حوشب بن یزید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

فھذا الحدیث، وان بغیت الفقہ فقد نقل العلامۃ البحر فی البحر الرائق تفصیلاً برخصۃ ونھی فی مسئلۃ حج الولد بلا اذن الوالد ثم قال ھذا کلہ فی حج الفرض اما حج النفل فطاعۃ الوالدین اولی مطلقاً کما صرح بہ فی الملتقط[2] اھ نقلہ العلامۃ ابن عابدین فی رد المحتار۔

قلت فاذا کان ھذا حکمھم فی الحج وانت ترید القفول، فکیف وانت عازم ان لا ترجع، وقد وضع فی الھندیۃ ضابطۃ حسنا فی امثال ھذہ المسائل

والدین کو پریشان کرنے میں کیا سزا ہے تو ہجرت کا ارادہ ترک کردے، جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے کہ جریج راہب فقیہ و عالم ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالٰی کی عبادت سے والدہ کے بلاوے کا جواب اولٰی ہے۔ حسن بن سفین نے مسند میں، حکیم ترمذی نے نوادر میں، ابن قانع نے معجم میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں شہر بن حوشب سے، انھوں نے حوشب بن یزید سے، انھوں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

یہ تو احادیث تھیں، باقی رہے فقہاء، تو علامۃ البحر نے بحر الرائق میں تفصیلاً رخصت کی تفصیل تحریر کی، اور جبکہ اجازتِ والد کے بغیر اولاد کو حج کرنے سے منع کیا، پھر فرمایا یہ تمام بحث حجِ فرض میں ہے، رہا نفل حج، تو اس میں اطاعتِ والدین ہر حال میں اولٰی ہے، جیسا کہ ملتقط میں ہے اھ اسے علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ انھوں نے حج کے بارے میں حکم دیا ہے جس میں تُو واپس کوچ کا ارادہ رکھتا ہے، یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے جبکہ تو واپس نہ ہونیکا عزم رکھتا ہے، فتاوٰی ہندیہ میں ایسے مسائل کے بارے میں بہت عمدہ ضابطہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے

---

[1] نوادر الاصول — الاصل السابع عشر والمائۃ — دار صادر بیروت — ص ۱۵۲
شعب الایمان — باب فی بر الوالدین — حدیث ۷۸۸۰ — دار الکتب العلمیہ بیروت — ۶/ ۱۹۵
[2] بحر الرائق — کتاب الحج — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۲/ ۳۰۹

حیث قال الابن البالغ یعمل عملا لاضرر فیه دینًا ولا دُنیًا بوالدیه وهما یکرهانه فلابد من الاستیذان فیه اذا کان له منه بدٌ اه فقد حکم ان لا محید من الاستیذان وان لم یکن بهما ضرر اصلا فیما ارا د ، فهٰذا حکم المسئلة کما تری ، و ما لی التکلم فی هذا و ذاك ولکن اقول ان المجاورة لا تحل من اصلها وان اذن الابوان فکیف اذا کرها و حزنا بها هذا هو قول الامام وبقوله قال الخائفون المحتاطون من العلماء ، کما فی الشامی عن الاحیاء ، وبه جزم فی المجمع وغیره۔

قلت وهو الاقوی دلیلا والاحسن تاویلا والاصلح تعویلا والاقوم قیلا ولیس لحنفی ان یجتار من قوله ویختار قول غیره کصاحبیه مثلًا الا لضعف بیّن فی دلیله او ضرورة تدعو الیٰ مخالفة قیله ، حتی صرح الفاضلان العلامتان مولٰنا زین بن نجیم المصری والشیخ خیر الدین الرملی ، انه لا یعمل ولا یفتی الا بقوله رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ولا یعدل عن قوله الیٰ قولهما

کہ بالغ اولاد کوئی دینی یا دنیوی ایسا کام نہ کرے جو والدین کے لیے غیر مضر اور ناپسند ہو، اور اگر ضروری ہو تو والدین سے اجازت لینا ضروری ہوگا اھ یعنی اگرچہ نقصان وہ نہ بھی ہو تب بھی والدین کی اجازت کے بغیر چارہ نہیں ۔ یہ تو مسئلہ کا حکم تھا لیکن مجھے اس میں کلام نہیں ہے اور جبکہ میں یہ کہتا ہُوں کہ مجاورت اس صُورت میں بھی جائز نہیں جبکہ والدین اجازت دیں تو اس وقت کیسے جائز ہوگی جب وہ اسے پسند نہ کریں اور اس پر پریشان ہوں، اور یہی امام صاحب کا قول ہے ، محتاط اور خائف اہلِ علم نے آپ کے اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں احیاء سے ہے ، مجمع وغیرہ میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے ۔

میں کہتا ہُوں یہ قول دلیل کے اعتبار سے قوی ، تاویل کے لحاظ سے احسن ، اعتماد کے لحاظ سے اصلح اور قیل و قال کے لحاظ سے معتدل ہے ، اور کسی حنفی کے لیے یہ اجازت نہیں کہ وُہ آپ کے قول کو ترک کرکے کسی دوسرے مثلاً صاحبین کے قول پر عمل کرے ، ہاں اس صُورت میں جائز ہوتا ہے جب آپ کے قول کی دلیل واضح طور پر کمزور ہو یا آپ کے قول کی مخالفت کی اشد ضرورت درپیش ہو، حتی کہ دو عظیم فاضل اہلِ علم مولانا زین بن نجیم مصری اور شیخ خیر الدین رملی نے تصریح کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قول پر عمل اور فتویٰ دیا جائے گا، اس سے صاحبین یا کسی اور کے

ـه فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۶۵

او قول احدهما الا لضرورة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولهما[1] کما فی صلٰوۃ البحر و شهادات الخیریة و هذا امیر المؤمنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه، کان اذا فرغ من حجه یدور فی الناس و یقول یا اهل الیمن یمنکم و یا اهل العراق عراقکم و یا اهل الشام شامکم[2] فانه اهیب لبیت ربکم فی اعینکم، اوکما یقول رضی اللہ تعالٰی عنه۔

قلت وکان هذا والناس انما هم صحابة او تابعون وهم ماهم من غایة الادب و نهایة الاجلال، فما بال اهل الزمان اهل کیت و ذیت، واللہ المستعان لاصلاح الاحوال، و قد سئل امام دار الهجرة، عالم المدینة مالک بن انس رحمه اللہ تعالٰی ایما احب الیک المجاورة او القفول فاجاب ان السنة الحج ثم القفول[3] کما نقله العلامة محمد العبدری فی مدخله۔

قول کی طرف اعراض کی اجازت نہیں البتہ اس صورت میں جو مذکور ہے اگرچہ کچھ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ بحر کے باب الصلٰوۃ میں اور فتاوٰی خیریہ کے باب الشہادات میں ہے حالانکہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھئے وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو لوگوں میں دورہ کرتے اور فرماتے، اے اہلِ یمن! یمن چلے جاؤ، اے اہلِ عراق! عراق چلے جاؤ، اے اہلِ شام! اپنے وطن شام لوٹ جاؤ تاکہ تمہارے ذہنوں میں تمہارے رب کے گھر کی ہیبت خوب قائم رہے۔

میں کہتا ہوں یہ اس دور کی بات ہے جب صحابہ یا تابعین تھے جو نہایت مؤدب اور نہایت ہی احترام و اکرام کرنے والے تھے، ہمارے اس دور کا کیا حال ہوگا! اللہ تعالٰی ہی اصلاح و احوال کی توفیق دے۔ امامِ دار الہجرت، عالمِ مدینہ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالٰی سے پوچھا گیا کہ آپ کو مجاورت محبوب ہے یا لوٹنا؟ فرمایا سنّت یہ ہے کہ حج کیا جائے پھر واپس ہو، جیسا کہ علامہ محمد عبدری نے مدخل میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ — کتاب الشہادات — دار المعرفۃ بیروت ۲/۳۳
بحر الرائق — کتاب الصلٰوۃ — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۶
[2] و [3] المدخل — فصل فی ذکر لبعض مایعتور الحاج فی حجہ — دار الکتاب العربی بیروت ۴/۲۵۳

قلت وانما اراد سنة الصحابة ماعدا المهاجرين، اما المهاجرون فقد كانوا عن الاقامة محجورين، فلا يدل قفولهم على استنانه كما لا يخفى.

ثم ان العبدری نقل عن بعض اکابر الاولیاء قدست اسرارهم، ان جاور بمکة اربعین سنة و لم یبل فی الحرم و لم یضطجع، قال فمثل هذا تستحب له المجاورة او یومر بها و الموضع موضع ربح لا موضع خسارة، فیحرم نفسه الربح لقلة الادب الذی یصدر منه وقلة الاحترام" قال "وقد حکی لی السید الجلیل ابو عبدالله القاضی رحمة الله تعالیٰ علیه انه احتاج الیٰ قضاء حاجة الانسان وهو فی المدینة فخرج الیٰ موضع من تلك المواضع وعزم ان یقضی حاجته فیه فسمع هاتفا ینهاه عن ذلك فقال الحجاج یعملون هذا فاجابه الهاتف بان قال واین الحجاج واین الحجاج واین الحجاج ثلث مرات، فخرج من البلد حتی قضی حاجته ثم رجع اھ۔

"وقد اطال الکلام فیه الی ان قال" ثم لو فرض ان المجاور لا یباشر

قلت یہاں امام مالک نے سنّت سے مراد غیر مہاجرین صحابہ کی سنّت لی ہے، رہے مہاجرین صحابہ، توان کے لیے مکّہ میں اقامت ممنوع تھی، لہذا ان کا لوٹنا سنّت پر دال نہیں جیساکہ واضح ہے۔

پھر شیخ عبدری نے بعض اکابر اولیاء قدست اسرارہم کے بارے میں یہ بھی نقل کیا کہ وہ چالیس سال مکہ میں رہے مگر حرمِ مکہ میں پیشاب نہ کرتے اور نہ ہی وہاں لیٹتے تھے۔ پھر فرمایا ایسے لوگوں کے لیے مجاورت مستحب ہے، یا انھیں کو اجازت دی جاسکتی ہے اور یہ مقام سراپا نفع ہے، خسارہ نہیں تو قلّتِ ادب اور قلّتِ احترام کی بناپر انسان خود کو نفع سے محروم نہ کرے۔ پھر فرمایا مجھے السید الجلیل ابو عبداللہ القاضی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انھیں شہرِ مدینہ میں رفعِ حاجت کی ضرورت پیش آئی تو وہ شہر میں ایک مقام کی طرف گئے اور وہاں قضاءِ حاجت کا ارادہ کیا تو غیب سے آواز آئی جو اس عمل سے انھیں منع کر رہی تھی، تو انھوں نے کہا تمام حجّاج ایسا کرتے ہیں، تو جواب میں تین دفعہ آواز آئی، کہاں کے حجاج، کہاں کے حجاج، کہاں کے حجاج۔ پھر وہ شہر سے باہر چلے گئے اور رفعِ حاجت کی اور پھر لوٹے اھ

طویل گفتگو کے بعد لکھتے ہیں کہ بالفرض مجاورت کرنے والا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو ذکر ہوا تو اس کے

لے المدخل فصل فی ذکر بعض ما یعتور الحاج فی حجہ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۲۵۳

شيئا مما تقدم ذكره حينئذ تكون المجاورة
مستحبة فی حقه مالم يخل بعبادة اخری
هی اکبر منها کبر الوالدين والقيام بما وجب
عليه من صلة الرحم لمن يحب ذلك بالحضور
معه دون ارسال السلام بالکتابة وغيره،
"قال" والمقصود ان يقدم امتثال الشرع
الشريف فيقدم ما قدمه ويؤخر ما اخره،
فالمجاورة مع النبی صلی الله تعالیٰ
عليه وسلم باتباع اوامره واجتناب
نواهيه فی ای موضع کان
هذه هی المجاورة[1] "قال"
ومن کتاب القوت (ای لسيدی
ابی طالب المکی رحمه الله تعالیٰ)
قال بعض السلف کم من رجل بارض
خراسان اقرب الی هذا البيت ممن
يطوف به، وکان بعضهم يقول لان تکون
ببلدك وقلبك مشتاق متعلق بهذا
البيت خير لك من ان تکون فيه وانت متبرم
بمقامك وقلبك متعلق الی بلد غيره[2] اه ملتقطا۔
انی لو شئت لطولت الکلام بتوفيق
العلام فی تحقيق المرام ولکن حسبی
فی هذا المقام کلام الامام بن الهمام

حق میں مجاورت مستحب ہوگی بشرطیکہ اس سے
کوئی بڑی عبادت درمیان میں حائل نہ ہو مثلاً بوڑھے
والدین کے ساتھ حسنِ سلوک وخدمت اور ان لوگوں
کی خدمت جو صلہ رحمی کی بناء پر لازم ہے اور وہ اس کے
موجود ہونے کا تقاضا کرتا ہو نہ کہ محض تحریری سلام
وغیرہ کا۔ پھر لکھا مقصود شرع شریف کے احکام کو
مقدم کرنا ہے، لہذا جسے شریعت نے مقدم رکھا ہے
اسے مقدم رکھا جائے اور جسے شریعت نے مؤخر رکھا ہے
اسے مؤخر رکھا جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی مجاورت آپ کے اوامر کی اتباع اور
نواہی سے اجتناب کی صورت میں ہے خواہ انسان
کسی جگہ مقیم ہو، اور اصلاً مجاورت یہی ہے۔ اور
فرمایا کتاب القوت (للامام ابو طالب مکی رحمہ اللہ
تعالیٰ) میں بعض اسلاف سے ہے بہت سے خراسان
میں رہائش پذیر اس بیت اللہ کے ان لوگوں سے زیادہ
قریب ہیں جو اس کا طواف کر رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا
بندہ اپنے شہر میں ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کے گھر
سے متعلق ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ بندہ بیت اللہ میں
ہو اور دل کسی اور شہر کے ساتھ وابستہ ہو اھ اختصاراً
اگر میں چاہوں تو اس مقصد پر اللہ تعالیٰ کی توفیق
سے اور بھی طویل گفتگو کی جاسکتی ہے لیکن اس مقام
پر مجھے امام ابن ہمام کی گفتگو ہی کافی ہے کیونکہ

---

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض ما یعتور الحاج فی حجہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۲۵۵
[2] " " " " " " ۴/۲۵۶

اذ لا عطر بعد عروس قال قدس الله تعالیٰ بسره الکریم ونفعنا فی الدارین بفضله، الفخیم، فی فتح القدیر شرح الهدایة اختلف العلماء فی کراهة المجاورة بمکة وعدمها فذکر بعض الشافعیة ان المختار استحبابها الا ان یغلب علی ظنه الوقوع فی المحذور وهذا قول ابی یوسف و محمد رحمهما الله تعالیٰ وذهب ابو حنیفة ومالک رحمهما الله تعالیٰ الی کراهتها[1]

قلت والمراد کراهة التحریم اذ هو المحمل عند الاطلاق وبدلیل قول المحقق فیما سیأتی "لا یذکر حالهم قیدا فی جواز الجوار"[2] اھ۔

(قال) وکان ابو حنیفة یقول انها لیست بدار هجرة وقال مالک وقد سئل عن ذلک، ما کان الناس یرحلون الیها الا علی نیة الحج، والرجوع وهو اعجب وهذا احوط لما فی خلافه من تعریض النفس علی الخطر، اذ طبع الانسان التبرم والملل من توارد ما یخالف هواه فی المعیشة وزیادة الانبساط المخل

شادی کے بعد عطر کیا کرنا ہے انھوں (اللہ تعالیٰ ہمیں دارین میں ان کے علوم وفیوض سے بہرہ ور فرمائے) نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرمایا: مکہ مکرمہ کی مجاورت مکروہ ہے یا نہیں، اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض شوافع نے کہا کہ مختار قول کے مطابق مستحب ہے لیکن جب غالب گمان ممنوعات کے ارتکاب کا ہو تو پھر مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجاورت مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں یہاں کراہت سے مراد تحریمی ہے کیونکہ جب لفظِ کراہت مطلقاً ہو تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے، اور محقق کا آئندہ قول بھی اسی پر دلیل ہے کہ قلیل لوگوں کے حال کو جوازِ مجاورت کے لیے بطورِ قید ذکر نہیں کیا جاتا اھ

آگے لکھا امام ابو حنیفہ نے فرمایا مکہ مقامِ دار الہجرت نہیں۔ امام مالک سے جب اسی بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا لوگوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ حج ادا کرکے واپس ہو جائیں، اور یہ قول نہایت محبوب ہے اور یہی احوط ہے کیونکہ اس کے خلاف کرنے میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے کیونکہ انسانی طبیعت یہ ہے کہ بار بار خلافِ خواہش کرنے سے اس کی زندگی میں ملال و پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۹۳
[2] " " " " ۳/۹۴

بما یجب من الاحترام لما یکثر تکررہ علیہ
ومداومۃ نظرہ الیہ وایضا الانسان محل
الخطاء کما قال علیہ السلام کل بنی
اٰدم خطاء۔[1]

قلت اخرجہ احمد والترمذی و
ابن ماجۃ والحاکم عن انس عن النبی صلی
اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل بنی اٰدم
خطاء وخیر الخطائین التوابون[2] اھ

(قال) والمعاصی تضاعف علی ماروی
عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، ان
صح، والا فلا شک، انہا فی حرم اللہ افحش
واغلظ، فتنتھض سببا للغلظ الموجب و
ھو العقاب (وساق الکلام الی ان
قال) وکل من ھذہ الامور سبب
لمقت اللہ تعالٰی واذا کان ھذا سجیۃ
البشر فالسبیل النزوح عن ساحتہ،
وقل من یطمئن الی نفسہ فی دعوٰھا
البراءۃ من ھذہ الامور، الا وھو فی ذلک
مغرور، الا یری الی ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما
من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و
سلم المحببین الیہ، المدعو لہ کیف اتخذ

کثرت کے ساتھ ادب کے منافی ہے بے تکلفی اور بار بار دیکھنے سے ادب و
احترام میں کمی واقع ہوجاتی ہے، اور یہ بھی کہ انسان خطاء
کا محل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک
ارشاد ہے، ہر آدمی محلِ خطاء ہے۔

میں کہتا ہوں اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ
اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت
کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا،
ہر آدم محلِ خطا ہے اور بہتر خطاکار وہ ہیں جو توبہ
کر لینے والے ہوتے ہیں اھ

پھر لکھا گناہوں پر سزا بھی کئی گنا ہے
جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی
ہے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو فبہا ورنہ اس میں کوئی
شک نہیں کہ اللہ کے حرم میں گناہ نہایت ہی بدبختی
اور سخت قابلِ گرفت جرم ہے جو عقاب وسزا کا مستحق
بنا دے گا (آگے چل کر لکھا) ان میں ہر امر اللہ تعالےٰ
کی ناراضگی کا سبب ہے، اور جب یہ بشری تقاضا
ہے تو بچنے کی صورت فقط اس میدان سے نکل جانا ہے
اور کوئی بھی ان امور سے بچنے کا دعوٰی نہیں کرسکتا ماسوائے
ان لوگوں کے جو دھوکا میں ہیں، کیا حضرت ابن عباس
رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے بارے میں علم نہیں جو
صحابیِ رسول ہیں، محبوب لوگوں میں سے ہیں، اور
ان کیلئے حضور کی دعا ہے ہجرت کرکے وہ طائف چلے گئے

---

[1] فتح القدیر — کتاب الحج مسائل منثورہ — نوریہ رضویہ سکھر ۳/۹۳
[2] مسند احمد بن حنبل — مروی از انس رضی اللہ عنہ — دار الفکر بیروت ۳/۱۹۸

الطائف دارًا ، وقال لان اذنب خمسين ذنبا برکیۃ وھو موضع بقرب الطائف احب الیٰ من ان اذنب ذنبا واحدا بمکۃ [1]

قلت یشیر بالدعا الیٰ قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اللھم فقھہ فی الدین[2]" وقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب[3] ، اخرجھما الشیخان ، وانما الفقیہ کما قالہ الامام الحسن البصری رحمہ اللہ تعالیٰ الزاھد فی الدنیا الراغب فی الاخرۃ البصیرۃ بعیوب نفسہ ومثل ھذا یتأھل للجوار لا شك واللہ قد کان ابن عباس من اعاظم اھلہ و لکن الاکابر انفسھم یستصغرون فانظر الی الفرق من لا یسئم یخشی السأمۃ ومن لا یسلم یدعی السلامۃ۔

اور فرمایا : رکیہ (طائف کے قریب جگہ کا نام ہے) کے مقام پر پچاس گناہ کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں مکہ میں ایک گناہ کروں۔

میں کہتا ہوں دعا سے آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے : "اے اللہ ! ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا فرما"۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی ہے : "اے اللہ ! ابن عباس کو کتاب کا علم عطا فرما"۔ یہ دونوں دعائیں بخاری و مسلم میں ہیں۔ فقیہ کی تعریف امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں کی ہے : دنیا سے اعراض کرنے والا ، آخرت کا شوق رکھنے والا ، اور اپنے عیوب سے آگاہ شخص فقیہ کہلاتا ہے ، ایسے لوگ بلاشبہ مجاورتِ مکہ کے اہل ہیں اور اللہ کی قسم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما تو ان اہل لوگوں میں سے بھی بڑے ہیں ، لیکن اکابر ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا اور عاجز سمجھتے ہیں ، غور تو کیجئے کتنا فرق ہے ان میں کہ جو غلطی نہیں کرتا وہ عذاب سے ڈرتا ہے اور جو گناہ سے محفوظ نہیں وہ سلامتی کا دعویٰ کرتا ہے۔

(قال) وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما من بلدۃ یؤاخذ العبد فیھا بالھمۃ قبل العمل الا مکۃ و

پھر لکھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ کسی شہر میں عمل سے پہلے محض برائی کے ارادے پر گرفت نہیں مگر مکہ میں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی ،

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۹۳
[2] صحیح بخاری باب وضع الماء عند الخلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶
[3] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب " " ۱/۱۷

تلا هذه الآية ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم ، وقال سعيد بن المسيب للذى جاء من اهل المدينة يطلب العلم ارجع الى المدينة ، فانا نسمع ان ساكن مكة لا يموت حتى يكون الحرم عنده بمنزلة الحل لما يستحل من حرمها ، وعن عمر رضى الله تعالىٰ عنه خطيئة اصيبها بمكة اعز علىّ من سبعين خطيئة بغيرها" نعم افراد من عباد الله استخلصهم وخلصهم من مقتضيات الطباع "فاولئك هم اهل الجوار الفائزون بفضيلة من تضاعف الحسنات والصلوات من غير ما يحبطها من الخطيئات والسيئات ۱؎ (ثم سرد احاديث فى ذلك)

ثم قال لكن الفائز بهذا امر السلامة من احباطه اقل القليل فلا يبنى الفقه باعتبارهم ولا يذكر حالهم قيدا فى جواز الجوار لان شان النفوس الدعوى الكاذبة و المبادرة الى دعوة الملكة والقدرة على ما يشترط فيما تتوجه اليه و تطلبه ، وانها لاكذب

"اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔" اور حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طیبہ سے طلبِ علم کے لیے مکّہ آنے والے سے فرمایا، مدینہ طیبہ کی طرف واپس چلے جاؤ ہم نے سُن رکھا ہے کہ ساکنِ مکہ نہیں فوت ہوگا حتیٰ کہ حرم اس کے ہاں بمنزل حل کے ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا پاس نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: مکہ میں کیا جانے والا گناہ دوسرے مقام کے ستّر گناہوں سے بدتر ہوتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنھوں نے اپنی طبائع کے تقاضوں کو صاف خالص کرلیا ہے وہی اس پڑوس ومجاورت کے اہل ہیں، وہ ہی حسنات اور عبادات کے فضیلت ودرجات پانے والے ہیں اور وہ سیئات اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ (پھر اس سلسلہ میں احادیث ذکر کیں)

پھر کہا: لیکن گناہوں میں گرنے سے محفوظ سلامتی کے ساتھ کامیاب ہونے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں اور قلیل لوگوں کے اعتبار سے فقہی حکم کی بنا نہیں ہوتی اور نہ ہی جوازِ مجاورت کے لیے ان کے حال کو بطورِ قید ذکر کیا جاتا ہے، کیونکہ انسانی فطرت یہ ہے کہ جھوٹے دعویٰ اور تجربہ کے اعلان میں پیش رفت کرتے ہوئے اور شرائط پر قدرت کا اظہار کرتے ہوئے مطلوب کی طرف بڑھتا ہے حالانکہ وہ

۱؎ فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۹۴-۹۳

ما يكون اذا حلفت فكيف اذا دعت والله تعالیٰ اعلم وعلیٰ هذا فيجب كون الجوار فی المدينة المشرفة كذلك فان تضاعف السيئات او تعاظمها وان فقد فيها[1]۔

(قلت وذلك لان الرحمة فی المدينة اكثر واللطف اوفر والكرم اوسع والعفو اسرع كما هو شاهد مجرب والحمد لله رب العالمين ومع ذلك) فمخافة السآمة وقلة الادب المفضی الی الاخلال بواجب التوقير والاجلال قائم وهو ايضا مانع الا للافراد ذوی الملكات فان مقامهم وموتهم فيها السعادة الكاملة[2] اھ مختصرا وموضحا

وهو كما تریٰ من الحسن بمكان فقد افاد واجاد اثابه الجواد تبارك وتعالیٰ وابان ان الامر وان كان فی الواقع علی جواز الجوار بشرط التوثيق وهو التوفيق عند التحقيق كما نص عليه وصححه فی شرح اللباب وجزم به فی الدر المختار الا ان اهل التوثيق لما كانوا اقل قليل واحكام الفقه انما تبتنی علی الغالب الكثير دون النادر اليسير فالوجه هو اطلاق المنع كما

اپنی قسموں میں نہایت جھوٹا ہوتا ہے تو اپنے دعووں میں وُہ کیا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ مدینہ طیبہ میں مجاورت کا بھی یہی حکم ہو اگرچہ یہاں گناہوں پر سزا میں اضافہ یا اُن کی شدت مفقود ہے۔

(میں کہتا ہوں، کیونکہ مدینہ طیبہ میں رحمت اکثر، لطف وافر، کرم سب سے وسیع اور عفو سب سے جلدی ہوتا ہے جیسا کہ وُہ شاہد و مجرب ہے والحمد للہ رب العالمین، اس کے باوجود) اکتانے کا ڈر اور وہاں کے احترام و توقیر میں قلّتِ ادب کا خوف تو موجود ہے اور یہ بھی تو مجاورت سے مانع ہے، ہاں وُہ افراد جو فرشتہ صفت ہوں تو ان کا وہاں ٹھہرنا اور فوت ہونا سعادتِ کاملہ ہے اھ اختصاراً

آپ نے دیکھا اس جگہ محقق نے کتنی اچھی گفتگو کی، یہ نہایت ہی عمدہ تفصیل ہے، اللہ تعالیٰ انھیں اجر عطا فرمائے، انھوں نے یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ مجاورت کا معاملہ جائز ہے مگر بشرطِ توثیق جو بصورتِ توفیقِ الٰہی ہی حاصل ہوسکتی ہے جیسا کہ اس پر اُنھوں نے تصریح کی ہے شرح اللباب میں اسی کو صحیح کہا، درمختار میں اسی پر جزم کا اظہار کیا مگر چونکہ اہلِ توثیق بہت ہی کم ہوتے ہیں اور احکامِ فقہ کی بنا نادر وقلیل پر نہیں ہوتی بلکہ غالب کثیر پر ہوتی ہے، تواب مطلقاً منع کہنا ہی بہتر ہے جیسا کہ

---

[1] و [2] فتح القدیر کتاب الحج، مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

هومذهب الامام رضی الله تعالٰی عنه و لذا اخذ الفاضلون المحشون العلامة الحلبی ثم الطحطاوی ثم الشامی کلهم فی حواشی الدر فی اشتراطه التوثیق حیث نقلوا کلام الفتح، ثم قالوا وهو وجیه، فکان ینبغی للشارح ان ینص علی الکراهة ویترك التقیید بالتوثیق[1] اھ زاد ابن عابدین ای اعتبار للغالب من حال الناس لاسیّما اهل هٰذا الزمان والله المستعان[2] اھ

ولقد اعجبنی قول العلامة علی القاری فی مسلك المتقسط شرح المنسك المتوسط مع تصحیحه ما علمت حیث یقول لوکانت الائمة فی زماننا وتحقق لهم شاننا لصرحوا بالحرمة[3] الخ۔

قلت ونظیره ما قال فی الدر المختار فی مسئلة دخول المرأة الحمامات فی زماننا لاشك فی الکراهة لتحقق کشف العورة[4] اھ وقد سبقه الی ذٰلك المحقق علی الاطلاق فی الفتح، ونحوه ما ذکر العلائی ایضا فی الدر المنتقی شرح الملتقی:

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ درمختار پر حواشی لکھنے والے فاضل علماء حلبی، طحطاوی پھر شامی سب نے فتح القدیر کی عبارت نقل کرکے توثیق کی شرط لگائی اور پھر کہا یہی بہتر ہے لہٰذا شارح کو چاہئے تھا کہ وہ کراہت پر تصریح کرتا اور توثیق کی قید ترک کردیتا اھ ابن عابدین نے یہ اضافہ کیا کہ یہ اکثر لوگوں کے حال کے اعتبار خصوصًا اس دور کے حوالے سے ضروری ہے اور اللہ ہی مدد فرمانے والا ہے اھ۔

مجھے علامہ ملا علی قاری کا "مسلک المتقسط شرح المنسک المتوسط" میں یہ قول بہت پسند آیا، جیسا مجھے معلوم ہے انھوں نے مذکور گفتگو کی تصحیح کرتے ہوئے کہا اگر یہ ائمہ ہمارے دور میں ہوتے اور ہمارے احوال سے آگاہ ہوتے تو مجاورت کے حرام ہونے کی تصریح کرتے الخ

میں کہتا ہوں اس کی نظیر درمختار میں "عورت کا حمام میں جانا" کے تحت ہے کہ ہمارے دور میں یہ مکروہ ہے کیونکہ بے پردگی ہوتی ہے اھ اور اس سے پہلے فتح میں محقق علی الاطلاق نے بھی یہی لکھا ہے وہ بھی اسی کی مثل ہے جو حافظ علائی نے الدر المنتقی شرح الملتقی میں طالب علم کے وجوبِ نفقہ کے بارے

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الحج باب الهدی دار المعرفت بیروت ۱/۵۶۲

[2] رد المحتار کتاب الحج مطلب فی المجاورة بالمدینه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۵۶

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل اجمعوا علی افضل البلاد الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۵۲

[4] درمختار باب الاجارة الفاسدة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۸

فی وجوب نفقۃ طالب العلم ان ھذا اذا کان بہ رشد کما فی الخلاصۃ ولذا قال صاحب المنیۃ والقنیۃ انا افتی بعدم وجوبھا فان قلیلا منھم حسن السیرۃ مشتغلا بالعلم الدینی واکثرھم (کذا وکذا) وذکر من مساویھم ثم قال اعنی الحصکفی) واما من کان بخلافھم فنادر فی ھذا الزمان فلا یفرد بالحکم دفعا لھرج التمییز بین المصلح و المفسد[1] الخ۔

قلت ومن ھذا القبیل حکمھم بتحریم السماع المجرد عن المزامیر فانہ یھیج مکامن القلوب واکثر الناس اساری الشھوات فالوجہ المنع سدا لباب الفتنۃ وان کان نفع شیٔ فی حق رجال تحلوا بالفضائل و تخلوا عن الرذائل وماتت شھواتھم بل قنتت ذواتھم فبقی السماع محض الانتفاع وبہ انقطع تطویل النزاع فمن فعلہ من الاولیاء فقد اصاب خیرہ ومن منعہ من الفقھاء فقد انال ضیرہ فلھم الاجر بما نصحوا

میں لکھا کہ یہ اس وقت ہے جب اس میں نیکی ہو اور بے راہ روی نہ ہو، جیساکہ خلاصہ میں ہے۔ اسی لیے صاحبِ منیہ وقنیہ نے کہا میں عدم وجوب کا فتویٰ دیتا ہوں کیونکہ ان میں بہت کم طلبہ اچھے کردار کے حامل اور علم دین کے حاصل کرنے والے ہیں اور ان میں سے اکثر (ایسے ایسے ہیں، اور پھر اپنے دَور کے طلبہ کا ذکر کیا، پھر حصکفی نے کہا) جو ان کے خلاف ہیں وہ اس دَور میں بہت ہی کم ہیں، اور اب مصلح اور مفسد میں فرق مشکل ہوجانے کی وجہ سے ان کے لیے الگ حکم بیان نہیں کیا جا سکتا الخ۔

میں کہتا ہوں اسی قبیل سے سماع کا حرام ہونا ہے خواہ وہ مزامیر کے ساتھ نہ ہو، کیونکہ وہ دل کے جذبات کو ابھارتا ہے، اور اب اکثر لوگ شہواتِ نفسانیہ کے قیدی بن چکے ہیں، لہذا فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کے لیے سماع سے منع کرنا ہی درست ہے اگرچہ یہ ایسے کچھ لوگوں کے لیے نافع بھی ہے جو فضائل سے مزین، رذائل سے خالی ہوں اور ان کی نفسانی خواہشات مرچکی ہوں بلکہ ان کی ذوات سراپا خشوع وخضوع ہو چکی ہوں تو پھر سماع واقعۃً نافع ہوتا ہے، اس مسئلہ میں جو طویل نزاع ہے اس سے وُہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اولیاءً میں سے جس نے سماع سُنا اس نے درست کیا اور اس کے لیے خیر بنا، فقہاء میں سے جس نے

---

[1] الدر المنتقی علٰی حاشیۃ مجمع الانھر فصل فی نفقۃ الطفل دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۰

وللقوم الاذن لما صلحوا ولكل
ثواب وبشرى، الصواب والحمد
لله رب الارباب۔

وبالجملة فالحكم عدم جواز الجوار
اصلا فی زماننا والعاقل لا يسعه الا الاحتياط
لنفسه والاحتراز عن سلوك مسالك تفضى
غالبا الى المهالك ومن صدّق نفسه فقد
صدّق كذوبا وسيرى ذلك" ولاحول ولا قوة
الا بالله العلى العظيم" واذا كان الامر
كما وصف هنالك سقط منشأ السؤال راسا،
اذ تبين ان ليس ما يظنه
خيرا خيرا والله المسؤل ان يرزق الخير
ويقى الضير وهو سبحانه وتعالٰى اعلم و
علمه جل مجده اتم واحكم
وصلى الله تعالٰى على سيدنا محمد واٰله
وصحبه وبارك وسلم۔

منع کیا تو انھوں نے اس کے نقصانات کا ازالہ کیا، ان
کی اس خیر خواہی پر ان کیلئے اجر ہے اور لوگوں کیلئے
اس میں اجازت ہے جو صلاحیت رکھتے ہوں اور ہر ایک کیلئے ثواب
اور بشارت ہے، درستی اور حمد رب الارباب کے لیے ہے۔

بالجملہ ہمارے دور میں مجاورت کی قطعاً اجازت
نہیں، عقلمند اپنے لیے فقط احتیاط ہی کی راہ اپناتا ہے
اور ہر اس راستہ سے اجتناب کرتا ہے جس سے ہلاکت
میں گرنے کا خدشہ ہو، جس نے اپنے نفس کو سچا سمجھا اس
نے جھوٹے کی تصدیق کی اور خود اس کا مشاہدہ بھی کرے گا
برائی سے بچنے اور نیکی بجا لانے کی طاقت اللہ تعالٰی
جو بلند و عظیم ہے، کی توفیق کے بغیر نہیں، جب معاملہ یہ
ہے جو یہاں بیان ہوا تو اب سرے سے سوال ہی ختم
ہو گیا کیونکہ جس شے کو سائل نے خیر تصور کیا تھا وہ خیر
ہی نہیں، اللہ ہی سے دعا ہے وہ خیر کی توفیق دے
اور نقصان سے بچائے اور وہی مقدس و اعلم ہے اس کا
علم کامل و اکمل ہے، اس کے رسول اور ہمارے آقا
حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود و سلام ہو
اور آپ کے آل و اصحاب پر بھی۔ (ت)